OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

شیخ طریقت سے عقیدت میں مطلوب رویہ: "طریقۂ محمدیہ" کا مطالعہ

(Required Attitude in Devotion to a Sufi Sheikh: A Study of "*Tareeqa-e-Muhammadia*")

Muhammad Nawaz
Doctoral Candidate Islamic Studies, The Islamia University Bahawalpur
Dr. Sajila Kausar
Assistant Professor of Islamic Studies The Islamia University Bahawalpur

Abstract

In Sufism, Sheikh or *Murshid* has fundamental importance. A perfect Sheikh is one whose chain of allegiance is valid up to the Messenger of Allah; who have spent a lifetime in austerities and worship. The Sheikh guides his disciples and brings them closer to God. Over time, this notion of Sufi Sheikh declined and many faults arose in this regard. This corrupted concept of Sheikh was tried to be improved by different scholars and Sufis. In Indo-Pak subcontinent, the most prominent of these personalities is the famous revivalist *Syed Ahmad Shaheed* (1786-1831). He introduced "*Tareeqa-e-Muhammadia*" in Sufism, the aim of which was to reform the innovations and "*Bid'āt*" in Sufism. *Syed Ahmad* believed that the first source of guidance was Quran and Sunnah. If a Sheikh does something contrary to Quran and Sunnah, he should be stopped immediately. This paper presents a study of the thoughts and ideas of *Syed Ahmad Shaheed* on devotion to a Sufi Sheikh. It starts with the exaggerated ideas of Sufism in terms of devotion to Sheikh, and then presents the reforming thoughts of *Syed Ahmad's* "*Tareeqa-e-Muhammadia*". The primary purpose of the movement of "*Tareeqa-*

e-Muhammadia" was to make Muslims committed and practicing Muslims. "*Tareeqa-e-Muhammadia"* negates all types of Shirk with Allah Almighty. *Syed Ahmad* waged a jihad to rid Sufism of the influence of Hindu ideologies, in which a Sufi Sheikh attains the status of a deity. To seek help and guidance from prophets, saints, imams etc. was declared against *"Aqīda-e-Tawhīd"*.

Key Words: *Syed Ahmed Shaheed,* Sufi Sheikh, *"Tareeqa-e-Muhammadia"*

تمہید

صوفیہ کے مطابق شیخ کا کام مخلوق کی روحانی اور اخلاقی تربیت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہر فن کا ایک استاد ہوتا ہے، جس کی صحبت میں رہ کر اس فن میں کمال حاصل کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر اور طبیب جہاں پر اپنے اساتذہ سے کتابی علم حاصل کرتے ہیں وہاں پر وہ اپنے اساتذہ سے اس کی عملی تربیت بھی حاصل کرتے ہیں، نظری اور عملی تربیت کے بغیر کوئی شخص اپنے علم میں کامل نہیں ہو سکتا۔ تزکیہ نفس بھی ایک فن ہے اور ایک مشکل فن کسی ماہر فن کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔[1] جن لوگوں کا مرشد نہیں ہوتا اور نہ انھوں نے باقاعدہ طور پر کسی بزرگ سے تعلیم و ادب سیکھا ہوتا ہے، ان کی مثال مخلوق خدا میں بن بلائے مہمان کی سی ہوتی ہے، جو کہ ظاہری طور پر صوفیہ کی شکل اختیار کیے ہوتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ ریاکار ہوتے ہیں اور ان کے اندر حق و باطل کی تمیز کی صلاحیت موجود نہیں ہوتی۔[2] اہلِ تصوف کے ہاں آدمی کتنا ہی پرہیز گار کیوں نہ ہو اس کے لیے پیر یا شیخ کا ہونا ضروری ہے، وہ اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ روحانیت ایک پر خطرہ راستے کا نام ہے، جس میں ایک سالک کو قدم قدم پر ان روکاٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جن کی وجہ سے اس کی روحانیت کا سفر رک سکتا، یا وہ اس راستہ سے بھٹک سکتا ہے۔ ان راستوں سے کامیابی سے گزرنے کے لیے اور ان مشکلات کا سامنا کرنا کرنے کے لیے سالک کا شیخ سے وابستہ ہوتا اور اس سے تعلق رکھنا ضروری ہے۔[3] شیخ ابو علی دقاق کا قول ہے: "جب کوئی درخت خود بخود اگ گیا ہو تو اس کے پتے تو نکل آئیں گے، مگر اس پر پھل نہیں لگے گا، یہی حال مرید کا ہے، جب اس کا کوئی شیخ نہ ہو جس سے ایک ایک سانس پر اپنے لیے راستے کو تلاش کرے تو یہ مرید اپنی خواہشات کی عبادت کر رہا ہو گا اور اسے کوئی راستہ نہ ملے گا۔"[4] صوفیہ کے نزدیک شیخ مرید کے لیے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور سنت رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ اس کو جو روحانی فیض حاصل ہوتا ہے وہ اپنے شیخ کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ شیخ اپنے مرید کے لیے ایک دروازہ کی مانند ہوتا ہے، جس سے وہ داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔

---

[1] پروفیسر یوسف سلیم، چشتی، تاریخ تصوف (لاہور: علما اکیڈمی، س ن)، 128-129۔

[2] علی ہجویری، کشف المحجوب، 51۔

[3] ڈاکٹر غلام قادر لون، مطالعہ تصوف (لاہور: دوست ایسوسی ایٹس، 2013ء)، 79-81۔

[4] ابو القاسم القشیری، رسالہ قشیریہ، 853۔

اس کے قلب پر جو بھی روحانی اثرات مرتب ہوتے ہیں، وہ اس کے شیخ کا روحانی فیض ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے شیخ کو عطا کیا ہوتا ہے۔ شیخ کی رہنمائی کی بدولت ہی مرید کی روحانی ترقی ممکن ہوتی ہے، کیونکہ شیخ ہی اللہ تعالیٰ سے اپنے مرید کی روحانی ترقی کی التجا و درخواست کا باعث بنتا ہے۔[5] شیخ طریقت کا بنیادی مقصد بندوں کی دوستی اللہ تعالیٰ سے کروانا اور لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اطاعت کے لیے آمادہ کرنا ہوتا ہے۔ جب شیخ اپنے مرید کا تزکیہ نفس کرتا ہے تو اس کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ قلب میں اللہ کا نور پیدا ہوتا ہے گویا جب بندہ سے اس کی تاریکی اور جہالت دور ہو جاتی ہے یعنی وہ اخلاق رزیلہ سے پاک وصاف ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنا دوست بنالیتا ہے۔[6] کامل شیخ اس کو کہا جاتا ہے جس کا سلسلۂ بیعت رسول اللہ ﷺ تک صحیح ہو؛ اس کی ایک عمر ریاضت اور عبادت میں گزری ہو؛ اس کا تعلق اللہ کی ذات سے زیادہ اور دنیا سے کم ہو؛ شیخ اپنے مریدوں کی رہنمائی کرتا اور انھیں خدا کے قرب کی منزل تک پہنچاتا ہے۔ گویا تصوف کی روایت میں شیخ قرآن وسنت کا متبع کامل ہوتا ہے اور قرآن وسنت سے ہی لوگوں کو فیض یاب کرتا ہے۔ جو شخص سنت رسول ﷺ پر عمل نہ کرتا ہو اس کو پیر یا شیخ نہیں کہا جا سکتا۔[7] جہاں تک شیخ اور مرید کے درمیان تعلق کا مسئلہ ہے، اس کے لیے بھی صوفیہ نے معیار قرآن وسنت ہی کو قرار دیا ہے۔

وقت کے ساتھ ساتھ صوفی شیخ کے تصور اور اس سے عقیدت و تعلق کے حوالے سے بہت سی خرافات اور بدعات راہ پا گئیں۔ ان بدعات کے پیش نظر بہت سے لوگوں نے خود کو ان کی اصلاح کے لیے وقف کر دیا۔ ایسے لوگوں میں سے برصغیر کے حوالے سے دیکھیں تو نمایاں ترین شخصیت سید احمد شہید (1786ء–1831ء) ہیں۔ ان کا ماننا تھا کہ اگر شیخ کتاب وسنت کے برعکس کوئی کام کرتا ہے، تو اس کو فوراً روکنا چاہیے۔ اس حوالے سے سید احمد شہید نے تصوف میں ایک سلسلہ "طریقۂ محمدیہ" متعارف کرایا، جس کا مقصد برصغیر پاک وہند کے تصوف میں پائی جانے والی بدعات کی اصلاح تھا۔ جہاں تک مرشد کی اہمیت اور اس کے احترام کا تعلق ہے، سید احمد شہید اس منکر نہ تھے، مگر جس قسم کا تصورِ شیخ تصوف میں راہ پا گیا تھا، آپ اس کو اسلام کی تعلیمات کے خلاف سمجھتے تھے۔ شیخ کی تعظیم میں افراط اور مبالغہ تصوف کے ذریعے ہی اسلام میں داخل ہوا۔[8] ہر سالک وصوفی کے لیے مرشد یا شیخ ہونا ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس کو کوئی مرشد نہیں ہوتا اس کا مرشد شیطان ہے۔ دین اسلام نے مسلمان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا پابند بنایا ہے، لیکن تصوف نے اس کو شیخ کی طرف منتقل کر دیا۔ شیخ عبادت کا حصہ اور اس کا تصور ریاضت کا درجہ قرار پایا۔[9] ہندوستان میں پیرزادوں کو حد سے زیادہ احترام حاصل تھا، جو کہ غلو کے زمرے میں آتا تھا۔ اس کے پیچھے شیخ سے اندھی عقیدت کارفرما تھی۔ بھلول لودھی کے چند امرا نے اپنے پیر کے بیٹے سے عقیدت کے

---

[5] شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، 118–119۔

[6] سہروردی، عوارف المعارف، 99–100۔

[7] احمد علی پنجگوری، حجتہ القاطعہ، دلائل سلوک (کراچی: المکتبۃ الحبیب، 1406ھ)، 35، 36۔

[8] محمد اکرام، موج کوثر، 20۔

[9] عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں، (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، س ن)، 429۔

لیے اپنے سر پیش کر دیے تھے کہ وہ ان پر بیٹھ جائے۔10 زیر نظر مضمون میں تصورِ شیخ کے حوالے سید احمد شہید کے افکار و نظریات کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے، جس میں وہ شیخ سے عقیدت اور تصور شیخ میں گمراہیوں سے بچنے کی تعلیمات پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ اس میں یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے صوفیہ کے یہاں موجود ان مبالغہ آمیز تصورات کو پیش کیا گیا ہے، جو شیخ سے عقیدت کے حوالے سے پائے جاتے ہیں، اور پھر سید احمد شہید کے "طریقۂ محمدیہ" میں ان کی اصلاح کا تصور پیش کیا گیا ہے۔

صوفیہ کے یہاں احترامِ شیخ میں غلو

سید احمد شہید اور ان کے "طریقۂ محمدیہ" میں شیخ طریقت سے عقیدت کے معاملے میں پائے جانے والے غلو کی بہت مذمت ملتی ہے۔ اس سلسلے ان کے کام اور کوششوں کی اہمیت کا اندازہ جبھی لگایا جا سکتا ہے، جب صوفیہ کے یہاں اس عقیدت کے کچھ مظاہر پر نظر ڈال لی جائے:

صوفیہ کے نزدیک شیخ کا حکم یا فرمان رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی مانند ہوتا ہے، اس لیے ان کے حکم پر فرض عبادت بھی قربان کی جا سکتی ہے۔[11] بعض مشائخ میں پیر کو سجدہ کرنے کا دستور بھی رہا ہے۔ شیخ نظام الدین اولیا سے منسوب ایک قول میں ہے کہ لوگ میرے سامنے سجدہ کرتے ہیں، یہ بات مجھے پسند نہیں ہے، لیکن ہمارے شیخ کے سامنے لوگ ایسا کرتے رہے ہیں، اس لیے میں ان کو اس بات سے منع نہیں کر سکتا۔[12] عام طور پر صوفیہ کے ہاں جب کوئی شخص کسی کا مرید ہوتا ہے، تو وہ اپنا سر شیخ کے قدموں میں رکھ دیتا ہے، اور تمام مریدوں کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہے۔[13] مشائخ نقشبندیہ کہتے ہیں کہ شیخ کی موجودگی میں دل کا دھیان اللہ کی طرف ہونے کی بجائے شیخ کی طرف ہونا چاہیے، کیونکہ اس سے شیخ کے دل سے فیض حاصل ہوتا ہے۔[14]

محمد اجل شیرازی کو ایک مرید قتل کے الزام میں گرفتار ہونے کے بعد موت کی سزا کا حکم دیا گیا۔ جب اس کو قتل کیا جانے لگا تو اس کا منہ قبلہ کی طرف کیا گیا تو اس کی پیٹھ اس کے پیر کی قبر کی طرف ہوتی تھی، لہٰذا اس نے منہ اپنے پیر کی قبر کی طرف کیا تو جلاد نے کہا کہ اس وقت تمھارا منہ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے تھا، اس نے جواب دیا کہ میں نے اپنا کام کر لیا ہے، تم اپنا کام کرو۔[15] مشائخ کے بارے میں صوفیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ کبھی مثالی صورتوں میں نمودار ہو کر یا خواب میں آ کر اپنے عقیدت مندوں کی رہنمائی اور حفاظت کرتے ہیں۔ شیخ نظام الدین اولیا کا کہنا ہے کہ جس طرح شیطان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی شکل میں خواب میں ظاہر ہو، اسی طرح اس میں یہ طاقت نہیں ہے کہ خواب میں وہ شیخ کی صورت میں ظاہر ہو جائے، کیونکہ شیخ نبی کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اس لیے مرید اپنے شیخ کی پناہ میں شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔[16] بعض اہل تصوف کا

---

[10] محمد اشرف، عہدِ وسطیٰ کا ہندوستان، 141۔

[11] لون، مطالعہ تصوف، 93، 95۔

[12] لون، مطالعہ تصوف، 93، 92۔

[13] لون، مطالعہ تصوف، 85۔

[14] ذوالفقار احمد نقشبندی، تصوف و سلوک (فیصل آباد، مکتبۃ الفقیر، س ن)، 56۔

[15] لون، مطالعہ تصوف، 96۔

[16] لون، مطالعہ تصوف، 98۔

یہ عقیدہ ہے کہ شیخ ہر مشکل گھڑی میں ان کی مدد کرتا ہے۔ چنانچہ کچھ تاجر شیخ ابوالحسن علی خرقانی کی زیارت کے لیے گئے ۔ملاقات کے دوران میں انھوں نے کہا کہ ہم سفر پر جا رہے ہیں، ہمیں کوئی ایسی دعا بتائیں جو ہمیں مصائب سے محفوظ رکھے۔ آپ نے ان سے کہا کہ تم مشکل وقت میں میرا نام لے لینا، مگر ان لوگوں کو یہ بات پسند نہ آئی اور چلے گئے۔ اتفاق سے راستے میں ان کا سامنا ڈاکوؤں سے ہوا۔ سب لوگوں نے اللہ کا نام لیا اور بچاؤ کے لیے دعا کی۔ صرف ایک آدمی نے آپ کا نام لیا اللہ نے اس کو ڈاکوؤں کی نظر سے چھپا دیا، اس کا سامان محفوظ رہا، باقی لوگوں کا سامان ڈاکو لوٹ کر لے گئے۔[17]

شیخ کی اہل تصوف کے ہاں وہ حیثیت ہوتی ہے جو کہ کسی قوم میں نبی کی ہوتی ہے۔ گویا جس طرح امت ہدایت ورہنمائی کے لیے نبی کی محتاج ہوتی ہے اسی طرح طالب (سالک) بھی شیخ کا محتاج ہوتا ہے۔ صوفیہ کے ہاں دنیا میں نبوت سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہیں ہے، انسان کو اسی وجہ سے خلیفہ کا مقام حاصل ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو جو کہ اللہ تعالیٰ کی نائب ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے اور اس کے دین کی طرف دعوت دینے سے بڑا اور کوئی کام نہیں ہے، اور یہی حقیقی نیابت ہے۔[18] کسی بھی فرد کے کردار کے اندر تبدیلی شیخ یا مرشد کی صحبت کے بغیر ممکن نہیں ہوتی ہے۔ فرد کی کردار سازی کا فریضہ ایک استاد یا مرشد ہی ادا کر سکتا ہے۔ یہ مرشد یا شیخ ہی ہوتا ہے جو کسی فرد میں سے حیوانی جذبات وکردار کا خاتمہ کر کے اس میں انسانی اور روحانی جذبات پیدا کر دیتا ہے۔[19] صوفیہ کے نزدیک مرشد یا شیخ کی حیثیت ایک حاکم کی سی بھی ہے جیسا کہ صحابہ کرامؓ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی حیثیت کے حاکم کی سی تھی اس تحکیم کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو تازہ کیا جاتا ہے تحکیم سے مراد حاکم بنانا ہے اور رسول کا صحابہ کرامؓ کے لیے ایک حاکم کی حیثیت رکھتے تھے۔[20] مزید برآں شیخ کی حیثیت ایک حکیم کی سی ہوتی ہے، جسے حکیم مرض کے مطابق مریض کو دوا دیتا ہے اسی طرح شیخ میں مرید کی تربیت اس کی روحانی صلاحیت کے مطابق کرتا ہے۔ وہ یہ بات جانتا ہے کہ کس کو کس وقت کسی عبادت وریاضت کی ضرورت ہے۔ شیخ اپنے مریدوں کو ایک لاٹھی سے نہیں ہانکتا وہ ہر ایک کی اس کے مرتبہ اور صلاحیت کے مطابق تربیت کرتا ہے۔ قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا حکم دیا تھا کہ لوگوں کی ان کی استطاعت اور طاقت کے مطابق رہنمائی فرمائیں۔[21]

شیخ کو تصوف میں وہی مقام حاصل رہا ہے جو کہ مسلمانوں کے ہاں قبلے کو حاصل ہے۔ صوفیہ کے ہاں شیخ کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جا سکتا چاہے وہ عبادت ہی کیوں نہ ہو یعنی جس طرح ہر نماز کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے اسی طرح ہر کام سے پہلے شیخ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔[22] عالم دین اور ایک شیخ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ عالم دین صرف اور صرف لوگوں کو دین کا علم دیتا ہے۔ عالم دین لوگوں کو خدا کے بارے میں بتاتا ہے اس حقیقت ان پر آشکار کرتا ہے۔ جبکہ شیخ مرید کو

---

[17] شیخ فرید الدین عطار، حضرت، تذکرۃ اولیاء (فیصل آباد: شمع بک سنٹر، س،ن)، 370۔

[18] لون، مطالعہ تصوف، 79-82۔

[19] چشتی، تاریخ تصوف، 33۔

[20] سہر وردی، عوارف المعارف، 117۔

[21] سہر وری، عوارف المعارف، 121۔

[22] لون، مطالعہ تصوف، 95۔

اپنی صحبت میں رکھ کر ذاتِ حق کا مشاہدہ کرواتا ہے؛ اس کو علم الیقین و عین الیقین کی دنیا سے نکال کر حق الیقین کی دنیا میں لے جاتا ہے۔ اس کو خدا کے رنگ میں رنگ دیتا ہے گویا عالمِ دین ایک رنگ فروش ہے، رنگ بیچتا ہے چڑھاتا نہیں ہے، جب کہ ایک صوفی اس کے برعکس رنگ چڑھاتا ہے، رنگ بیچتا نہیں۔[23]

شیخ عبدالقادر جیلانی نے مرید کے لیے یہ لازم قرار دیا ہے کہ وہ اس بات پر اعتقاد رکھے کہ اس کے شیخ سے زمانے میں بہتر کوئی شخص نہیں ہے۔ وہ اپنے شیخ کے سامنے بے جا کلام نہ کرے بلکہ خاموشی اختیار کرے، تو اس کے حق میں بہتر ہو گا۔ اس کے سامنے اپنے علم کا اظہار بھی نہ کرے۔ اگر اس کا شیخ کسی مسئلے پر بحث کر رہا ہو اور مرید کے پاس اس سے بہتر دلائل موجود بھی ہوں تو بھی وہ خاموشی اختیار کرے، کیونکہ اس وقت شیخ اللہ تعالی کی رہنمائی سے گفت گو کر رہا ہوتا ہے۔ مرید کے لیے یہ بات لازم ہے کہ وہ اپنے شیخ کی نشست پر نہ بیٹھے؛ اس کے مقابل اپنا مصلی ڈال کر نماز ادا نہ کرے، نہ اس کے مصلی پر نماز پڑھے؛ اس کا شیخ اس کو جو حکم دے وہ اس کو غنیمت جان اس پر عمل کرے۔[24] صوفیہ کے نزدیک مرید اپنے شیخ کے بارے میں جتنا حسن ظن رکھے گا اس کو اتنا ہی فیض حاصل ہو گا، کیونکہ ایک مرید کو جتنا فیص اپنے شیخ سے حاصل ہو سکتا ہے، اتنا کسی اور سے نہیں ہو سکتا۔ شیخ اپنے مرید سے محبت اور شفقت میں ایسا ہے؛ جیسا کہ ایک ماں اپنے بچے کے لیے اور بچے کو سب سے زیادہ فائدہ اپنے ماں سے ہی ہوتا ہے۔[25] مرید کے لیے جہاں پر اپنے شیخ کا ادب و احترام لازم ہے وہاں اسی کے لیے یہ بات بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے ارادہ واختیار، عقل و علم، آرزو و تمنا سے بالکل دستبردار ہو جائے۔ اگر کوئی شخص اپنے ارادے سے خالی نہ ہو تو اس کو مرید نہیں بنایا جاتا۔[26] مرید پر واجب ہے کہ ظاہری اعمال میں شیخ کی مخالفت نہ کرے اور دل میں اس پر اعتراض نہ کرے۔ ظاہر میں نہ فرمانی کرنے والا بے ادب ہے، اور باطن میں شیخ پر اعتراض کرنے والا خود اپنی ہلاکت کا طلب گار ہے۔[27] شیخ ابو علی دقاق کا قول ہے کہ جو اپنے شیخ کی مخالفت کرتا ہے وہ اس کے طریقے پر نہیں رہتا ہے اور ان کے درمیان تعلق ختم ہو جاتا ہے، بے شک دونوں ایک ہی جگہ پر کیوں نہ رہتے ہوں۔ جس نے شیخ کی صحبت اختیار کی اور دل سے اس پر اعتراض کیا تو اس نے صحبت کے معاہدے کی خلاف ورزی کی اس کے لیے توبہ کرنا واجب ہے، مگر صوفیا کے شیوخ کا ارشاد ہے کہ: "حقوق معلم (استاد کے حقوق) کی کوئی توبہ نہیں۔" شیخ احمد بن یحیؒ کا قول ہے کہ: "جس آدمی کا شیخ اس سے راضی ہوتا ہے، اسے زندگی میں اس کا اجر نہیں ملتا تا کہ اس کے دل سے اس کے شیخ کا عزت و احترام زائل نہ ہو جائے اور جب شیخ کی وفات ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس آدمی پر وہ چیزیں ظاہر کر دیتا ہے، جو شیخ کی رضامندی کا اجر ہوتی ہیں، اور جو آدمی اپنے شیخ کو ناراض کر دے اسے شیخ کی

---

[23] چشتی، تاریخ تصوف، 31-32۔

[24] عبدالقادر جیلانی، غنیۃ الطالبین، 621۔

[25] ذوالفقار احمد، تصوف و سلوک، 52-53۔

[26] ذوالفقار احمد، تصوف و سلوک، 90۔

[27] عبدالقادر جیلانیؒ، غنیۃ الطالبین، 615۔

زندگی میں اس کو سزا نہیں دی جاتی، تاکہ کہیں اس کا دل نہ ٹوٹ جائے کیونکہ شیخ کی فطرت میں مہربانی ہوتی ہے اور جب شیخ فوت ہو جاتا ہے تو اس کی اس بے ادبی کی سزا دی جاتی ہے۔[28]

سید احمد شہید اور طریقۂ محمدیہ کی اصلاحی کوششیں

شیخ طریقت سے اس نوع کی عقیدت اور اس بارے میں صوفیہ کی تعلیمات، جس کی مثالیں اوپر بیان کی گئی ہیں، شریعت کی بہت سے تصوارت سے متصادم دکھائی دیتی ہیں۔ سید احمد شہید اور ان کے "طریقۂ محمدیہ" میں اس عقیدت اور خلافِ اسلام تصورات کی اصلاح کی کوشش کی گئی ہے۔ سید احمد شہید اور ان کے "طریقۂ محمدیہ" کی ان تعلیمات کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

تصور شیخ سے انکار

تصورِ شیخ سے مراد اہلِ تصوف کے نزدیک کسی مقدس اور بزرگ ہستی کی صورت کو ذہن میں لانے اور جمانے کے ہیں، خاص طور پر اپنے مرشد کے چہرے اور خیال کو اپنے ذہن میں جمانے کو تصورِ شیخ کہتے ہیں۔[29] سید احمد شہید کا خیال تھا کہ تصورِ شیخ میں بہت سی بدعات پائی جاتی ہیں، لہذا اس سے گریز کرنا چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے اس کا سختی سے انکار کر دیا۔ شاہ عبد العزیز نے جب انھیں تصورِ شیخ کا حکم دیا تو انھوں نے کہا کہ میں ہر حال میں آپ کا فرمانبردار ہوں اور آپ سے فیض حاصل کرنے آیا ہوں، لیکن تصورِ شیخ واضح طور پر بت پرستی معلوم ہوتی ہے۔ میرے خدشے کو دور کرنے کے لیے آپ قرآن وسنت سے کوئی دلیل دیں تو میں اس کو قبول کرلوں گا، ورنہ اس عاجز کو اس فعل سے باز رہنے دیں۔ شاہ عبد العزیز نے آپ کی اس بات کا برا نہیں مانا م بلکہ آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور آپ کو گلے سے لگالیا۔[30] سید احمد شہید اور شاہ عبد العزیز کے اس طرز عمل سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اگر مرید کا شیخ سے کسی بات میں کوئی شرعی اختلاف ہو جائے تو شیخ کو چاہیے کی وہ اپنے مرید کے ساتھ شفت و محبت کا معاملہ رکھے اور مرید کو اس اختلاف کو ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے بیان کرنا چاہیے، جیسا کہ سید احمد شہید کا اختلاف اپنے شیخ کے ساتھ ہوا تو شاہ عبد العزیز نے انہیں گلے لگایا اور ان سے محبت سے پیش آئے، سلف صوفیہ کا بھی یہی طریق رہا۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کا قول ہے: "اگر شیخ سے کوئی ایسا عمل ہو جائے جو کہ شرع کے خلاف ہو تو مرید اشارہ اور ضرب المثل سے اس کو آگاہ کرے۔[31] اسی طرح شیخ کے مرید سے محبت و شفت اور اولاد جیسا رویہ رکھنے جیسے فرامین بھی اولیائے سلف کی معتبر کتب سے ملتے ہیں۔ حضرت شیخ عبد القادر ہی کا قول ہے:

---

[28] قشیری، رسالہ قشیریہ، 701، 704، 854۔

[29]. مولانا حسین احمد مدنی، مرتب مفتی سید عبد الشکور ترمذی، معارف مدنی (لاہور: اشرف الامداد اسلام نگر سندر ملتان روڈ لاہور، س ن) 154۔

[30] نواب محمد وزیر خاں بہادر، سید نفیس الحسن الحسینی، وقائع سید احمد شہید (لاہور: نفیس منزل کریم پاک راوی روڈ لاہور، 2007ء) 14، 13؛ غلام رسول مہر، سید احمد شہید (لاہور: غلام علی پرنٹرز، س ن) 80، 79۔

[31] عبد القادر جیلانی، ترجمہ۔ مولانا احمد صاحب مدراسی، غنیتہ الطالبین، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن)، 615۔

> شیخ کے لیے یہ بات لازم ہوتی ہے کہ وہ مرید کو اللہ کے لیے قبول کرے نہ کہ اپنے نفس کے لیے اور اس سے محبت کا برتاؤ کرے؛ اس پر محبت کی نظر ڈالے؛ اگر وہ کوئی مشقت کرنے سے عاجز ہو تو اس پر نرمی کرے اور اس کی تربیت اپنی اولاد و غلام کی طرح کرے۔[32]

سید احمد شہید کے نزدیک محبت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ محبوب سے وصال حاصل ہو۔ اس کے لیے تصوف میں سالک مجاہدات اختیار کرتا ہے تاکہ اس کو محبوب کا قرب حاصل ہو۔ ان مجاہدات میں سے ایک مجاہدہ تصورہ شیخ کا بھی ہے۔ اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ سالک کا دل حقیقی محبت سے ہٹ کر عشق مجازی میں مبتلا ہو جاتا ہے، یعنی وہ اپنے شیخ کی محبت تک محدود ہو جاتا ہے اور وہ محبوب حقیقی یعنی اللہ تعالی کی طرف نہیں جاتا، جو کہ اصل مقصد ہے۔ اس طریقے کے بزرگوں کا قول ہے کہ:" اگر اللہ تعالیٰ مرشد کے علاوہ کسی اور لباس میں تجلی میں ظاہر ہو، تو میں اس کی طرف ہرگز توجہ نہ دوں گا۔" مرشد کا حقیقی مقصد یہ ہوتا ہے کہ سالک کا اللہ سے قرب پیدا ہو اور اس کو ہدایت نصیب ہو مگر اس قسم کا تصورِ شیخ اس کی روحانی ترقی میں رکاوٹ ثابت ہوتا ہے۔ جن امور کا تعلق قرآن و سنت سے ثابت نہیں ہے، ان کا اختیار کرنا ضروری نہیں ہے۔ حقیقی مقصد تو اللہ کی رضا اور اس کی محبت ہے اور وہ قرآن اور سنت کی پیروی سے حاصل ہوتی ہے، اس کو عشق مجازی کی ضرورت نہیں۔[33]

عاجزی اور دوسرے کا احترام

صوفیہ میں جو دوسروں سے بڑے اور الگ مخلوق ہونے کا تصور ہے طریقۂ محمدیہ میں اس کو بھی پسند نہیں کیا گیا، چنانچہ سید احمد شہید نے بھی اپنی تعلیمات میں سادگی اور عوامیت کے پہلو کو نمایاں کیا۔ وہ اپنے آپ کو ایک عام انسان سمجھتے تھے وہ اکثر کہا کرتے تھے جب میں کسی بھائی کو کوئی بات کہوں تو اگر وہ بات اس کی سمجھ میں نہ آئے تو اس کے پاس اس مسئلے کا کوئی بہتر حل موجود ہو تو وہ اس کے بارے میں ضرور بتائے، اور اگر وہ نہیں بتائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالی اس کا مواخذہ کرے گا۔[34] آپ عاجزی کے سبب پیروکاروں اور مریدین کی کثرت کے باوجود مزدوروں کی طرح کام کرنے سے عار محسوس نہ کرتے تھے۔ پشاور گئے تو ایک مکان کی چھت پر چڑھتے وقت کوٹھے کی تھوڑی سی دیوار، جو پردے کے لیے بنائی گئی تھی، ٹوٹ گئی تو خود اس کی مرمت کرنا کا ارادہ کیا، مگر یہ ذمہ داری ارباب بہرام خان[35] نے اٹھالی۔[36] سید احمد شہید کو دنیاوہ شان و شوکت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی نہ ان کو یہ بات پسند تھی کہ وہ اپنی ذات لیے کوئی عمدہ چیز پسند کریں بلکہ وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح

---

[32] بہادر اور الحسینی، وقائع سید احمد شہید، 622۔

[33] سید احمد شہید، صراط مستقیم، ترتیب و تحریر۔ شاہ اسماعیل شہید، ترجمہ۔ مولانا محمد اکرم (لاہور: اسلامی اکیڈمی اردو بازار، س ن) 30۔

[34] بہادر اور الحسینی، وقائع سید احمد شہید، 1730۔

[35] روایات کے مطابق ارباب بہرام خاں تہکال کا رئیس تھا، اس کا تعلق وہاں کے قبیلے خلیل خیل سے تھا۔ آپ کے ہاتھ پر بعیت طریقت اور بعیت امامت کی اور مرتے دم تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑا، معرکہ بالاکوٹ میں آپ کے ساتھ شہید ہوئے۔ ان کو شہادت کے بعد بالاکوٹ میں ہی دفن کیا گیا، جب ان کے بھتیجے نے جو کہ ان کے داماد تھے ان کو اپنے علاقے میں دفن کرنے کے لیے ان کی نعش کو قبر سے نکالا تو پاؤں کے ناخنوں تھوڑے سے خراب ہوئے تھے اور باقی نعش اس طرح محفوظ تھی۔ (مہر، جماعت مجاہدین، ص 174۔177)

[36] بہادر اور الحسینی، وقائع سید احمد شہید، 1903۔

دینے پسند کرتے تھے، سفر حج پر جاتے ہوئے آپ نے اپنے لیے جس بحری جہاز کو پسند کیا اس کا نام "دریا بقی" تھا یہ بحری جہاز باقی تمام بحری جہازوں سے کم خوبصورت اور سست رفتار تھا۔ آپ کو جب یہ کہا گیا کہ آپ کوئی عمدہ بحری جہاز کا انتخاب کر لیں تو آپ نے کہا: "تم لوگ پریشان نہ ہو اللہ تعالی کی قدرت کے آگے نیا اور پرانا برابر ہیں، اگر وہ چاہیے گا تو اس کو تیز کر دے گا۔"[37] آپ نے اس کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ کسی کے دل میں یہ خیال نہ آئے کہ آپؒ نے اپنے لیے اچھا بحری جہاز رکھ لیا ہے۔[38]

پگڑیوں پر چلنے سے انکار

سفر حج پر جاتے ہوئے سید احمد شہید کلکتہ میں ایک پیر زادے کو ملنے کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے۔ اس نے گھر کے باہر کے دراوزے سے اندر تک فرش پر پگڑیاں بچھا رکھی تھیں۔ اس نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ان پر چل کر گھر میں داخل ہوں۔ سید احمد شہید نے فرمایا کہ پگڑیاں سر پر باندھنے کے لیے ہوتی ہیں ہم ان پر نہیں چلیں گے۔[39] پیر زادے کا عمل اس بات کا گواہ ہے کہ اس وقت کے روحانیت کے نام لیوا دین کے نام پر خود لوگوں کو دین سے انحراف اور دوری کا سبب بن رہے تھے۔ وہ قرآن و سنت سے کتنا دور تھے۔ اس واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے اور آپ کے نزدیک دین انھی اصولوں کا نام تھا جو کہ قرآن و سنت نے پیش کیے گئے ہیں نہ کہ کسی پیر کا پیش کردہ کوئی قانون آپ کے لیے اہم تھا۔

خواتین کو اپنے پاؤں چھونے سے روکنا

جب سید احمد شہید کا قافلہ ہجرت خیبر پختونخواہ کے علاقہ شب قدر سے گزر رہا تھا تو وہاں پر لوگوں کا ایک ہجوم آپ کی عقیدت میں کھڑا تھا۔ اس میں مرد و عورتیں دونوں شامل تھے۔ جب آپ کی سواری ان کے پاس سے گزری تو نے آپ کو سلام کیا، آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ جب وہاں پر موجود بوڑھی عورتوں نے آپ کے پاؤں چھونے کی کوشش کی تو آپ نے ان کو ایسا کرنے سے منع کر دیا اور اپنی سواری تیز کر دی۔[40]

کتاب و سنت کی پیروی کی تاکید

سید احمد شہید کے نزدیک دین بنیادی طور پر قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل کرنے کا نام تھا۔ آپ قرآن و سنت کی تعلیمات سے باہر جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ جب پہلی دفعہ لکھنو کے دورے پر تھے، تو وہاں دعوت و تبلیغ کے لیے مولانا اسماعیل کو بھیجتے ہوئے یہ نصیحت کی کہ مناظرہ اور مباحثہ سے اعراض کرنا اور جو جواب بھی دینا قرآن و سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق دینا۔[41] سید احمد شہید کا خیال تھا کہ لوگوں کے اصلاح کے لیے سنت رسول ﷺ میں جو ظاہر و باہر طریقہ بتایا گیا ہے، اس کے مطابق کرنی چاہیے۔ چنانچہ ان کا لوگوں کو نصیحت کرنے کا وہی انداز تھا، جو کہ سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ انھیں کسی کو

---

[37] بہادر اور الحسینی، وقائع سید احمد شہید، 942۔

[38] مہر، سید احمد شہید، 214۔

[39] بہادر اور الحسینی، وقائع سید احمد شہید، 90؛ مہر، سید احمد شہید، 211۔

[40] مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، دعوت و عزیمت (کراچی: مجلس نشریات ناظم آباد، س ن)، 2: 279۔

[41] بہادر اور الحسینی، وقائع سید احمد شہید، 315۔

نصیحت کرنا ہوتی تو کسی کو مخاطب کر کے یا نام لے کر نصیحت نہیں کیا کرتے تھے، تا کہ لوگوں کو شرمندگی اور ندامت محسوس نہ ہو۔[42] سید احمد شہید نے جو جماعت قائم کی تھی اس کی بنیادی انسانی احترام، مساوات انسانی اور اخوت اسلامی کے اصولوں پر رکھی تھی۔ ان کے درمیان ایک ہی رشتہ تھا اور وہ تھا انسانیت اور اخوت اسلامی کا رشتہ، جس نے نسلی اور دنیاوی تفاخر کے تمام امتیازات کا خاتمہ کر دیا تھا۔ سید احمد شہید جب کسی کو بلاتے تو اس کی عزت نفس کا پورا خیال رکھتے، آپ لوگوں کو مخاطب کرنے کے لیے بھائی، خان بھائی یا شیخ بھائی کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔[43] سید احمد شہید کے ہاں دوسرے کی عزت نفس کا خاص خیال رکھا جاتا اور آپ کسی کی اصلاح کرتے وقت اس بات کا خیال رکھتے کہ اس کی دل آزاری نہ ہو۔ آپ کے مریدین میں سے کالے خان داڑھی منڈواتے تھے، سید احمد شہید نے کبھی ان کو منع نہیں فرمایا، ایک دن تازہ داڑھی منڈوا کر بیٹھے تھے کہ سید احمد شہید ان کے پاس پہنچے اور اپنے ہاتھ سے اس کی تھوڑی پکڑ کر فرمایا: خان بھائی! آپ کی تھوڑی کیا چکنی چکنی ہے۔ اس کے بعد کالے خاں نے داڑھی منڈھوانا چھوڑ دی تھی۔[44]

مولانا عبدالحی کے کہنے پر بھی ان کے سینے پر پاؤں رکھنے سے انکار

مولانا عبدالحی اور مولانا اسماعیل شاہ ولی اللہ کے خاندان کے دو اہم افراد جو کہ علم و تقوی میں اپنی مثال آپ تھے۔ مولانا عبدالحی کو اس دور کا شیخ الاسلام اور مولانا اسماعیل کو حجتہ الاسلام کہا جاتا تھا۔ دونوں نے سید صاحب سے خود اس بات کی درخواست کی کہ وہ ان سے بیعت لیں۔[45] جب مولانا عبدالحی کے وصال کا وقت قریب تھا، تو انھوں نے آپ سے کہا کہ: "آپ میرے لیے دعا فرمائیں اور میرے سینے پر اپنا پاؤں مبارک رکھ دیں شاید اس کی برکت سے میری مشکل آسان ہو جائے، اور اس مصیبت سے مجھے نجات مل جائے، تو آپ نے جواب دیا: "مولانا! آپ کا سینہ قرآن وسنت کی تعلیمات کا خزانہ ہے، میں اس پر پاؤں نہیں رکھ سکتا۔"[46] مولانا عبدالحی کی سید احمد شہید سے عقیدت اپنی جگہ پر مگر دین کی تعلیمات کے مطابق ایک عالم کی جو عزت و احترام بنتا ہے وہ اپنی جگہ ہے۔ آپ نے مولانا عبدالحی کی خواہش سے انکار کر کے اس بات کا ثبوت دیا کہ شیخ کا مقصد لوگوں کی روحانی تربیت ہوتا ہے نہ کہ دین کی تعلیمات سے از خود انحراف کرنا، یا اپنے آپ کو کوئی اعلیٰ وارفع انسان سمجھنا۔ ان کے نزدیک ہادی و رہنما کا وہی نمونہ تھا جو کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات سے ثابت شدہ ہے، جہاں پر احترام انسانیت کے مطابق تمام انسان برابر ہیں۔

شاگردوں اور مریدوں کا اختلافِ رائے

صوفیہ میں ایک چیز یہ بھی دیکھنے میں آتی ہے کہ مریدوں اور شاگردوں کی رائے کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی، بلکہ بہت سوں کے یہاں تو مرید کی کوئی رائے ہوتی ہی نہیں، اسے بس شیخ کے حکم کی تعمیل کرنا ہوتی ہے؛ وہ شیخ سے اختلاف کر ہی نہیں سکتا، لیکن سید احمد شہید نے یہ تعلیم دی کہ اگر مرید درست بات کہہ رہا ہو تو شیخ کو اس کی رائے کا احترام کرنا چاہیے اور اس کی

---

[42] بہادر اور الحسینی، وقائع سید احمد شہید، 1188۔

[43] مہر، سید احمد شہید 175۔

[44] مہر، سید احمد شہید، 836۔

[45] مہر، جماعت مجاہدین، 118-116۔

[46] بہادر اور الحسینی، وقائع سید احمد شہید، 1257؛ مہر، سید احمد شہید، 441۔

رائے مان لینی چاہیے۔ اس حوالے سے ان کے اصول و طریق کی ایک مثال یہ ہے کہ جب غازیوں نے مولانا شاہ اسماعیل کی قیادت میں مردان کے ایک قصبے پر قبضہ کر لیا تو وہاں اس وقت موجود رسول خان نے آپ سے صلح کر لی اور امان طلب کر لی تو شاہ اسماعیل نے اتفاق کر لیا اور یہ معاہدہ ہو گیا کہ جب تک قصبے کے لوگ اپنا اپنا سامان سنبھال نہ لیں گے، لشکر کا کوئی آدمی گڑھی میں داخل نہ ہو گا۔ سید احمد شہید بھی وہاں تشریف لے گئے اور جا کر سیدھے گڑھی میں داخل ہو گئے۔ مولانا شاہ اسماعیل، سید احمد شہید کے پاس آئے اور کہا: "جناب نے خود دین کا حکم توڑا ہے۔ لشکر اسلام میں سے ایک آدمی کے عہد کی پاس داری امام اور پورے لشکر پر واجب ہوتی ہے؛ مجھے آپ نے اپنا نائب بنا کر بھیجا تھا؛ لیکن آپ نے میرے عہد کا خیال نہ رکھا اور قصبے میں داخل ہو گئے؛ یہ لشکر ہے اسے میدان میں ٹھہرنا چاہیے؛ پیرزادوں کا قافلہ نہیں کہ قصبے میں گھس آئے۔"[47] آپ نے بڑے تحمل سے مولانا شاہ اسماعیل کی بات سنی اور ان سے کہا: "مجھے کہا گیا تو آیا تھا ورنہ میں کیوں آتا، میں ابھی جاتا ہوں۔" یہ کہ کر آپ گڑھی سے باہر تشریف لے آئے اور وہاں موجود شہتوت کے درختوں کے نیچے لشکر کے ساتھ بیٹھ گئے۔ جب شاہ اسماعیل قصبے کی تلاشی کے بعد آپ کے پاس آئے اور ادب کے ساتھ آپ کے سامنے بیٹھ گئے، تو سید صاحب نے اہل قصبہ سے کہا: "آپ نے میاں صاحب کو ہماری شکایت کی اور وہ ہم سے ناراض ہو گئے۔" آپ اس کے بعد شاہ اسماعیل سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: "مولانا! مجھے آپ کے عہد کے بارے میں کسی نے نہیں بتایا تھا، ورنہ میں ہرگز داخل نہ ہوتا۔"[48] آپ شاہ اسماعیل کے شیخ ہیں اور وہاں اس وقت امام بھی۔ اس کے باوجود دین کے کیا تقاضے ہو سکتے ہیں، وہ بھی ان کو یاد ہیں۔ اس قسم کے مزاج کے آدمی سے کیسے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ کسی ایسے کام کے کرنے پر راضی ہو سکتا ہے، جس کا حکم قرآن و سنت میں موجود نہ ہو چاہے، اس کی جو بھی حکمت ہو۔

اتباع شریعت میں سختی

سید احمد شہید قرآن و سنت کے متبع تھے اور دیگر شیوخ طریقت کے بھی اسی طرح متبع سنت ہونے کے معاملے میں سخت تھے، اس سے متعلق ان کے فرمودات بہترین شاہد ہیں۔ اپنی کتاب صراط مستقیم میں لکھتے ہیں: "محبت ایمان کی عمدہ مثال یہ ہے کہ شریعت کے اتباع پر دلی ارادہ کو پختہ اور مضبوط کیا جائے اور سنت پر کمال رغبت کرے اور بدعات سے نہایت درجہ کی نفرت کرے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر اس طرح عمل کیا جائے کہ ظاہری اور باطنی طور پر کوئی فرق باقی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کمربستہ ہونا خاص طور پر شرع کی اتباع ہے، جو کہ دین کی سب سے بڑی نیکی ہے، تاکہ عقائد شرعیہ پر قلب کو اطمینان ہو جائے اور دینی امور کی نسبت دل سے محبت، رغبت اور تعظیم پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے مخلوق کی مخالفت کی پرواہ نہ کی جائے اور منعم کی رضاجوئی میں اپنی جان و مال کو برباد کر دینا اور اس کے اوامر کی بجا آوری میں اپنے سر و سامان کو ہار دینا، بڑی سے بڑی مشکل کو اتباع شرع میں حقیر خیال کرنا در اصل باہمت لوگوں کا کام ہے۔"[49]

مبنی بر قرآن و سنت تصورِ شیخ

---

[47] مہر، سید احمد شہید، 242۔

[48] بہادر اور الحسینی، وقائع سید احمد شہید، 1878، 1877۔

[49] بہادر اور الحسینی، وقائع سید احمد شہید، 50۔

چونکہ سید احمد شہید خود ایک شیخ طریقت سے فیض یاب ہوئے، انھوں نے شیخ کا مطلقاً انکار نہیں کیا، اس لیے ہمیں ان کے یہاں جو شیخ کامل کا تصور ملتا ہے، وہ شریعت کا کامل اتباع کرنے والے شیخ کا ہے۔ ان کے نزدیک راہ حق کے بڑے خلل انداز وہ صوفیہ ہیں، جو شریعت کی مخالفت کرتے ہیں۔ لوگوں کو ان اشغال میں الجھا دیتے ہیں جن کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان کے پاس نہ جائیں، کیونکہ بُری صحبت انسان کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اللہ کی تعظیم میں بھی افراط اور تفریط سے بچا جائے۔ مرشد بے شک خدا تک رسائی کا وسیلہ ہے، لہٰذا مجاہدے سے پہلے مرشد کی تلاش ضروری ہے؛ مرشد کے بغیر راہ حق نہیں ملا کرتا، لہٰذا مرشد اس شخص کو بنانا چاہئے جو کہ کسی طرح بھی شریعت کا مخالف نہ ہو۔ قرآن و سنت کی پیروی کرنے والے فرد کو اپنا ہادی اور مرشد بنایا جائے، کیونکہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی فرمانبرداری جائز نہیں ہے۔[50] جو شخص شریعت کا پابند نہیں ہوتا اس کی مثال اس ڈاکو کی سی ہے، جو کہ مشقت اور محنت اٹھا کر بادشاہ کا قرب حاصل کرتا ہے، مگر وہ اپنے بُرے افعال سے توبہ نہیں کرتا اور اپنی روش پر قائم رہتا ہے، تو بادشاہ ہی کے غضب کا شکار ہو جاتا ہے۔ دراصل سلوک کا اصل مقصد ہی شریعت کی اتباع ہے کیونکہ سلوک ہی کی بدولت ایک سالک میں اخلاص کا جذبہ پیدا ہوتا اور وہ عبادت اس لیے کرتا ہے کہ اس کو اللہ کی رضا حاصل ہو؛ جتنا جلدی اس میں یہ جذبہ پیدا ہو گا اس کے روحانی کمالات میں ترقی ہو گی۔[51]

شیخ کے لیے عقیدت میں غلو کی مخالفت کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ سید احمد شہید کو شیخ سے محبت نہ تھی، آپ اپنے شیخ سے بہت شاہ عبد العزیز سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپ جب حج پر گئے ہوئے تھے تو اپنے شیخ کو خط لکھ کر ان سے اپنا اظہارِ محبت یوں کیا: "مکہ مکرمہ میں اللہ تعالیٰ نے جتنی میری دعائیں قبول کی ہیں وہ سب آپ کے طفیل ہی ہیں اور آپ کی پاکیزہ دعاؤں کے سبب ہی اللہ تعالیٰ مجھے ترقی دے گا۔"[52]

نتیجۂ بحث

سید احمد شہید اور ان کے "طریقۂ محمدیہ" نے تصوف میں راہ پا جانے والے ان تمام امور کی مذمت و تردید کی، جو قرآن و سنت کے خلاف تھے۔ انھوں نے تصوف کو ہندوانہ افکار و نظریات کے اثرات سے پاک کرنے کے لیے جہاد کیا۔ انھوں نے شیخ اور اس سے عقیدت کے معیارات کے لیے کسوٹی قرآن کریم اور سنتِ رسول ﷺ کو قرار دیا، اور اس قسم کی عقیدت کی سخت مخالفت کی، جس میں ایک شیخ دیوتا کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

---

[50] سید احمد شہید، صراط مستقیم، 92، 102۔

[51] سید احمد شہید، صراط مستقیم، 259۔

[52] ڈاکٹر صادق حسین، سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین (لاہور: المیزان اردو بازار، 2010ء)، 793۔